ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.2.2025

عطاء الحق قاسمی بطور خاکہ نگار

ATTA UL HAQ QASMI AS A SKETCH WRITER

ایاز علی جراح

لیکچرار، شہید بینظیر بھٹو، یونی ورسٹی، نواب شاہ

پرویز احمد

اسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج، کنڈیارو

عبدالجبار پٹھان

لیکچرار، گورنمنٹ ڈگری کالج، کنڈیارو

Ayaz Ali Jarah
Lecturer, SBBU,SBA Nawabshah
Perwaiz Ahmed
Assistant Professor, GDC, Kandiaro.
Abdul Jabbar Pathan
Kecturer, GDC, Kandiaro.
Corresponding Author: perwaiz333@gmail.com

Abstract;

In literature, a sketch *is a short but impactful genre that captures the essence of a personality, not through formal biography or serious essay, but through emotional depth, memories, and sincerity. A true sketch comes from the heart, revealing the inner world of a person, not just external achievements or appearances. It requires the writer to be both a reader of faces and hearts, using subtle language, symbols, and metaphors to convey deep meaning in a few lines—like a cartoonist capturing identity with a few exaggerated features.**Atta-ul-Haq Qasmi** is recognized as a master in Urdu literature who, alongside his expertise in satire and humor, has also demonstrated great skill in sketch writing. His style is marked by emotional insight, creative humor, simplicity of language, and clarity of expression. He avoids unnecessary embellishments and speaks directly, which makes his sketches both engaging and meaningful.His sketches of literary figures such as **Amjad Islam Amjad**, **Ahmed Nadeem Qasmi**, and **Hafiz Jalandhari** reflect not only their personalities but also the warmth and sincerity of his relationships with them. These works go beyond simple introductions—they are emotional tributes. However, at times, a tone of superiority or sarcasm appears in his sketches, especially evident in the one written about a wrestler.Despite these occasional flaws, Qasmi's contributions to the genre of sketch writing are significant and lasting in Urdu literature.*

جدید دور کی برق رفتاری نے جہاں زندگی کے فاصلے سمیٹ دیے ہیں، وہیں ادب کی دنیا بھی اس تبدیلی کی لپیٹ میں آگئی ہے۔ اب طویل اور تفصیل پسند اصناف کی جگہ مختصر اور جامع انداز کو ترجیح دی جارہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول کی جگہ افسانہ اور سوانح عمری کی جگہ خاکہ نگاری نے اپنی جگہ بنائی ہے۔

ادب میں خاکہ ایسی صنف ہے جو کسی شخصیت کی جھلک، کردار کی گہرائی، عادات کی ترجمانی اور مزاج کی تصویر کو مختصر مگر مؤثر انداز میں پیش کرتی ہے۔ یہ نہ تو سوانح کی طرح رسمی ہوتا ہے اور نہ مضمون کی طرح سنجیدہ، بلکہ ایک جذباتی رشتہ، یاد کی صورت، اور خلوص کی آمیزش سے وجود پاتا ہے۔ خاکہ ایک ایسی تخلیق ہے جو دل سے نکلتی ہے اور قاری کے دل پر اثر چھوڑتی ہے۔ یہ صنف اس لیے بھی خاص ہے کہ انسان کا مشاہدہ اور اس کی شخصیت کا مطالعہ ادب کا بنیادی مقصد ہے، اور خاکہ اس مقصد کو سب

سے زیادہ خوبصورتی سے پورا کرتا ہے۔ خاکہ نگار جب کسی شخصیت سے محبت یا عقیدت رکھتا ہو، تو اس کی تحریر میں وہ رنگ اور خوشبو پیدا ہو جاتی ہے جو قاری کو اس شخصیت سے جوڑ دیتی ہے۔

جب کوئی تحریر دل کی گہرائی سے نہ لکھی جائے تو وہ چاہے جتنی خوبصورت ہو، خاکہ کہلانے کے قابل نہیں ہوتی۔ اگر کسی شخصیت پر لکھی گئی تحریر صرف تعریفی یا سوانحی تاثرات کا مجموعہ ہو، تو وہ محض ایک عمومی خاکہ بن کر رہ جاتی ہے، اصل خاکہ وہی ہے جو دل کی سچائی سے جنم لیتا ہے۔ ادب کی ہر سچی تخلیق دل سے پیدا ہوتی ہے، لیکن خاکے کے لیے یہ شرط کچھ زیادہ ہی ضروری ہے، کیونکہ یہ نثر میں ہوتے ہوئے بھی شاعری جیسی لطافت، نزاکت اور حساسیت کا مطالبہ کرتا ہے۔ جیسا کہ کسی دانا نے شاعری کے بارے میں کہا ہے کہ شاعری یا تو ہوتی ہے، یا پھر بالکل نہیں ہوتی — یہی بات خاکے پر بھی صادق آتی ہے۔ خاکہ ایک نازک راستہ ہے، جو تاثراتی اور سوانحی نثر کے درمیان ایک باریک لکیر پر چلتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے ادیب خاکہ لکھتے ہوئے غیر ارادی طور پر سوانح، مزاح یا حتیٰ کہ قصیدہ نگاری کی طرف نکل جاتے ہیں، اور یوں تحریر اپنی اصل صنف سے ہٹ جاتی ہے۔ بہت سے خاکے یا تو کسی شخصیت کی ضرورت سے زیادہ تعریف بن جاتے ہیں، یا طنز و تنقید میں ڈھل کر ہجو کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی لیے ڈاکٹر احسن فاروقی نے خاکہ نگاری کو ایک نہایت باریک اور نازک راہ قرار دیا ہے، جو بال کی مانند باریک اور تلوار کی مانند تیز ہے۔ ممتاز مفتی کے مطابق، اس فن میں ایک ایسا طوفان چھپا ہوتا ہے جو اظہار کے لیے بیتاب ہوتا ہے، مگر اظہار کے راستے بہت محدود ہوتے ہیں۔

سوانح میں کسی شخصیت کے بیرونی واقعات، کارنامے اور حالات بیان کر کے بات مکمل کی جا سکتی ہے، مگر خاکہ نگاری میں محض ظاہری بیان کافی نہیں ہوتا۔ اس میں باطن کی پرتیں کھولنی پڑتی ہیں، شخصیت کے اندر جھانکنا ہوتا ہے، اس کی نفسیات کا تجزیہ کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے خاکہ نگار کو صرف چہرہ شناس نہیں بلکہ دل شناس ہونا چاہیے۔ بعض ناقدین نے تو یہاں تک کہا ہے کہ خاکہ نگاری دراصل شخصیت کی کھدائی کا عمل ہے، جس میں مصنف نہایت باریکی سے کسی کے باطن میں چھپے گوہر تلاش کرتا ہے۔ جیسا کہ شمیم حنفی کہتے ہیں، کامیاب خاکہ نگار وہی ہے جس کی آستین میں روشنی کا طوفان پوشیدہ ہو۔ جو شخصیت کی تاریکیوں کو اجالنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

پروفیسر شمیم حنفی رقم طراز ہیں:

> "کامیاب خاکہ نگار وہ ہے جس کی آستین میں روشنی کا سیلاب چھپا ہوا ہو، اور جو واقعات کی اوپری پرت کے نیچے، معمولات کے ہجوم میں کھوئی ہوئی، ایسی حقیقتوں کو اپنی گرفت میں لے سکے، جن تک عام لکھنے والوں کی نگاہ پہنچتی ہی نہیں۔ اس لیے ہر اچھا خاکہ ایک دریافت ہوتا ہے۔ کسی کہانی یا شعر کی طرح ہم اس کے واسطے سے زندگی کی کسی عام سچائی تک پہنچنے کے بعد محسوس کرتے ہیں کہ اس سچائی کو ہم نے آج ایک نئے زاویے سے دیکھا ہے اور یہ کہ معنی کہ ایک نئی جہت ہم پر روشن ہوئی۔"(۱)

خاکہ نگاری کی سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ اس میں طویل بیانیے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ خاکہ نگار کو محض اشاروں، کنایوں اور رمز و علامت کی زبان میں بڑے مفاہیم ادا کرنے کا ہنر آنا چاہیے۔ وہ ایسا فنکار ہوتا ہے جو نہایت محدود لکیروں میں ایک مکمل چہرہ، ایک بھرپور شخصیت پیش کر دیتا ہے۔ جیسے کوئی کارٹونسٹ کسی چہرے کی صرف چند نمایاں خصوصیات کو بڑھا چڑھا کر دکھاتا ہے، اور ناظر فوراً پہچان لیتا ہے کہ یہ کس کی تصویر ہے، خاکہ نگار کا کمال بھی اسی پہچان میں پوشیدہ ہے۔

یہ راستہ ایسا نازک اور باریک ہے جہاں فنکار کو مصور کی سنجیدگی اور کارٹونسٹ کی شوخی، دونوں کا امتزاج دکھانا ہوتا ہے۔ وہ شخصیت کی سچائی سے انحراف کیے بغیر، کبھی تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتا ہے اور کبھی مبالغے سے، تاکہ شخصیت کے وہ پہلو ابھر آئیں جو عام حالات میں نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ خاکہ محض حقائق کی ترتیب نہیں، بلکہ ان حقائق کو ایک فنکارانہ تخیل سے گوندھ کر ایسا رنگ دینا ہے کہ قاری کو وہ شخصیت جیتی جاگتی محسوس ہو۔

ڈاکٹر انور سدید نے خوب لکھا ہے:

> "خاکہ نگاری ایک ایسی صنف ادب ہے جس کا خام مواد کسی دوسری شخصیت کے داخلی اور خارجی مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے لیکن ایک عمدہ خاکہ نگار اس مواد کو من و عن پیش نہیں کرتا بلکہ زندگی اور شخصیت کے مختلف واقعات کو مشاہدہ کے

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

تاثر اور تجزیے کے عمل سے گزارنا پڑتا ہے اور یہی وہ مشکل مرحلہ ہے جہاں مصنف کے تخلیقی جوہر سے مس خام یا تو کندن بن جاتا ہے یا راکھ "(۲)

عطاء الحق قاسمی اردو ادب کی اُن نابغہ روزگار شخصیات میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے طنز و مزاح کے میدان میں اپنی انفرادی شناخت قائم کرنے کے ساتھ ساتھ خاکہ نگاری میں بھی اپنی بصیرت اور فن کی گہرائی کا بھرپور ثبوت دیا۔ ان کا اندازِ تحریر محض روایتی نہیں بلکہ اپنے اندر ایک خاص طرح کی تخلیقی شوخی، جذبات کی لطافت، اور مشاہدے کی باریکی لیے ہوتا ہے۔ وہ جس شخصیت کا خاکہ لکھتے ہیں، اُسے محض الفاظ میں قید نہیں کرتے بلکہ قاری کے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں جیسے وہ فرد زندہ و جاوید ہو، قہقہے لگاتا ہو، باتیں کرتا ہو، اور اپنی مخصوص حرکات و سکنات کے ساتھ سامنے آ کھڑا ہو۔ قاسمی صاحب کی خاکہ نگاری میں مزاح کا تڑکا تو ہوتا ہی ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ شخصیت کے نفسیاتی اور سماجی پہلوؤں کو بھی بڑی ہنرمندی سے اجاگر کرتے ہیں۔ ان کے خاکے قاری کو محض مسکراہٹ عطا نہیں کرتے بلکہ کئی مقامات پر وہ انسانی فطرت، رشتوں کی نزاکت اور معاشرتی تلخیوں پر بھی روشنی ڈالتے نظر آتے ہیں۔ یہی ان کا کمال ہے کہ وہ کسی شخصیت کا احوال بیان کرتے ہوئے کبھی طنز کی گہری کاٹ سے، کبھی مزاح کی نرمی سے اور کبھی جذبات کی گرمی سے ایک ایسا تاثر قائم کرتے ہیں جو دیرپا ہوتا ہے۔

ان کے خاکوں میں زبان کی روانی، لہجے کی سادگی اور بیان کی برجستگی نمایاں ہوتی ہے۔ وہ غیر ضروری تعقید سے اجتناب کرتے ہیں اور سیدھے سادے انداز میں بات کو اس انداز سے کہہ جاتے ہیں کہ قاری ان کے اندازِ بیان کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ ان کی تحریر میں نہ صرف شخصیات کی پہچان کے لیے ضروری خاکہ نگارانہ بصیرت ملتی ہے بلکہ ایک مکمل ادبی لطف بھی قاری کے حصے میں آتا ہے۔

عطاء الحق قاسمی کی خاکہ نگاری کو محض تفریحی ادب کہنا زیادتی ہوگی۔ ان کی تحریروں میں جو فکری گہرائی، تہذیبی حوالہ جات، اور معاشرتی مشاہدات کی چھاپ موجود ہے، وہ ان کے فن کی پختگی اور سنجیدگی کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کا کمال یہی ہے کہ وہ اپنے قاری کو ہنساتے بھی ہیں، سوچنے پر بھی مجبور کرتے ہیں، اور ساتھ ہی خاکہ نگاری کو ایک باوقار اور ادبی صنف کے طور پر نمایاں بھی کرتے ہیں۔

عطاء الحق قاسمی کی تخلیقی شخصیت کا جوہر خاکہ نگاری کے میدان میں کھلتا ہے۔ ان کے خاکے اپنی بعض انفرادیتوں کے باوصف اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں ، ان کی خاکہ نگاری کے نمونے "عطایئے" (۱۹۸۲ء) اور مزید گنجے فرشتے (۱۹۹۷ء) میں محفوظ ہیں۔ عطایئے میں ایک حصہ خاکوں پر مشتمل ہے جبکہ مزید گنجے فرشتے مکمل طور پر خاکوں کی کتاب ہے۔ عطاء الحق قاسمی بنیادی طور پر ایک فطری مزاح نگار ہیں، جن کے ہاں شوخی اور ظرافت ایک جبلّی کیفیت کی صورت میں ابھرتی ہے۔ وہ محض قلم سے نہیں ہنستے، بلکہ ان کا پورا اسلوب ایک زندہ، ہنستا بولتا تجربہ بن جاتا ہے۔ ان کا تعلق عرصۂ دراز سے صحافت سے رہا ہے، اور یہ وہ میدان ہے جہاں اکثر معیار قربان کر کے مقدار کی گاڑی دھکیلی جاتی ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں بیشتر قلم کار وقتی ضرورتوں کے تابع ہو کر محض لفظی مشقت میں الجھ جاتے ہیں، قاسمی جیسے افراد خال خال ہی دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے رفتار کے ساتھ معیار کو بھی تھامے رکھا۔ اگرچہ بعض مقامات پر اُن کی تحریر میں جلدبازی کے آثار محسوس ہوتے ہیں، لیکن مجموعی طور پر اُن کی فکری استقامت اور ادبی وقار برقرار رہتا ہے۔ ان کا 1982ء کا مجموعہ عطایئے اُن کی صحافتی اور ادبی سرگرمیوں کا حسین امتزاج ہے۔ اردو صحافت میں ابن انشا اور مشفق خواجہ جیسے مزاح نگاروں کے بعد اگر کسی نے نمایاں ترین حیثیت اختیار کی ہے تو وہ قاسمی ہی ہیں۔ انہوں نے کالم نگاری کو صرف معلوماتی یا رائے دہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں مزاح، فکر، اور مشاہدہ بھی شامل کیا۔ ان کی تحریروں میں طنز کے ساتھ ساتھ ایسی مسکراہٹ پنہاں ہوتی ہے جو قاری کے ذہن پر دیرپا اثر چھوڑتی ہے۔ عطاء الحق قاسمی نے نہ صرف کالم لکھے بلکہ سفرنامے، ڈرامے اور خاکے بھی تحریر کیے۔ ان کے خاکے اُن کی مزاحیہ طبیعت کے آئینہ دار ہیں، خاص طور پر وہ تحریریں جو بے تکلف دوستوں یا قریبی شخصیات کے بارے میں لکھی گئیں، ان میں ان کے انداز کی روانی، بے ساختگی اور مشاہدے کی گہرائی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ البتہ وہ خاکے جو تقاریب کے لیے فرمائشی انداز میں لکھے گئے، ان میں وہ چمک دمک اور وہ دلکشی کچھ کم محسوس ہوتی ہے۔

امجد اسلام امجد پر لکھا گیا ان کا خاکہ اس بات کا بہترین ثبوت ہے کہ جب خاکہ نگار اور موضوعِ تحریر کے مابین خلوص اور قلبی وابستگی ہو، تو تحریر کس قدر پر لطف، دلچسپ اور اثر انگیز ہو سکتی ہے۔ اس خاکے میں امجد کی رنگا رنگ شخصیت کے نقوش قاسمی کے دلنشین لہجے میں یوں اُبھرے ہیں کہ قاری کو نہ صرف شخصیت کا ایک نیا زاویہ دکھائی دیتا ہے بلکہ قاسمی کی دوستی کی گرمی بھی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.2.2025

عطاء الحق قاسمی رقم طراز ہیں:

> "اس کی شخصیت میں جو سپورٹس میں سپرٹ ہے، وہ غالباً سپورٹس سے اس کے گہرے تعلق ہی کی بنا پر ہے۔ میں نے امجد کو بد ترین صورت حال میں بھی کبھی نروس نہیں پایا، اس کے اعصاب حیرت انگیز طور پر مضبوط ہیں، لیکن مجھے امجد کی جس صفت نے خصوصی طور پر حیران پریشان کیا، وہ برصغیر کی تاریخ پر اس کا عبور ہے۔ اسے صرف پلے بوائے ہی کے لطیفے یاد نہیں ہیں، برصغیر کے شہنشاہوں کے وہ لطیفے بھی ازبر ہیں جن پر ہنستے ہنستے عوام کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔"(۳)

عطاء الحق قاسمی کا احمد ندیم قاسمی پر لکھا گیا خاکہ محض ایک ادبی تعارف نہیں بلکہ ایک جذباتی خراجِ عقیدت ہے جو خلوص اور محبت سے لبریز ہے۔ انہوں نے نہ صرف قاسمی صاحب کی ادبی خدمات کو سراہا بلکہ ان کی شخصیت کے نرم گوشوں، سادگی، اور اخلاقی عظمت کو بھی دلنشین انداز میں اُجاگر کیا ہے۔ طنز و مزاح کے ماہر ہوتے ہوئے بھی عطاء الحق قاسمی نے اس خاکے میں سنجیدگی اور احترام کا دامن نہیں چھوڑا، جو ان کی فنکارانہ بلوغت اور احمد ندیم قاسمی سے گہری عقیدت کا ثبوت ہے۔ اس تحریر میں ادبی وقار کے ساتھ جذبات کی گہرائی بھی ہے، جو قاری کو نہ صرف قاسمی صاحب کے قریب لاتی ہے بلکہ خود مصنف کے اعلیٰ ذوق کی گواہی بھی دیتی ہے۔

عطاء الحق قاسمی لکھتے ہیں:

> " ندیم صاحب کی محبت خاصی "توسیع پسندانہ" ہے۔ وہ اپنے دوستوں اور پیاروں سے محبت کرتے کرتے اس ملک کے کروڑوں بھوکے ننگے عوام سے محبت کرنے لگتے ہیں، جب انھیں اس کے باوجود سیری نہیں ہوتی تو دنیا بھر کے پسے ہوئے طبقوں پر اپنی محبت کا سایہ کر دیتے ہیں۔ ندیم وہ بلند و بالا مینار ہے جہاں سے محبت کی اذان بلند ہوتی ہے اور دکھی دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے۔"(۴)

حفیظ جالندھری کے خاکے میں اگرچہ عقیدت کی تہہ خاصی موٹی ہوگئی ہے اس کے باوجود عطاء الحق قاسمی شگفتگی کے لیے مواقع پیدا کر لیتے ہیں جس کے باعث پہلے سے موجود فضا میں محض معمولی سا ارتعاش بھی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بے تکلفی کی فضا ہموار چلی جاتی ہے۔

بقول عطاء الحق قاسمی:

> "مشاعروں میں میں نے دیکھا ہے کہ حفیظ صاحب ہرٹ ہونا نہیں جانتے۔ سامعین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر شعر پڑھتے ہیں اور فقرے کا جواب اتنے کٹیلے فقرے سے دیتے ہیں کہ ہوٹنگ کرنے والا صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ شاید یہ اسی خود اعتمادی کا اثر ہے کہ ابوالاثر کو پر امن مشاعرے اچھے نہیں لگتے۔ چنانچہ جس مشاعرے میں ہوٹنگ کا معقول انتظام نہ ہو، حفیظ صاحب اس کا اہتمام خود فرماتے ہیں۔"(۵)

عطاء الحق قاسمی کا احسان دانش پر لکھا گیا خاکہ ان کے فنِ خاکہ نگاری کی ایک خوبصورت مثال ہے، جس میں طنز و مزاح کی لطافت، مشاہدے کی گہرائی اور اسلوب کی روانی بیک وقت جلوہ گر ہیں۔ قاسمی نے احسان دانش جیسے سنجیدہ اور خوددار شاعر کی شخصیت کو نہایت دلنشین انداز میں پیش کیا، جہاں ان کی علمی عظمت اور خودداری کو مزاح کی ہلکی پھلکی چاشنی کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قاری کے دل میں احترام بھی پیدا ہوتا ہے اور لبوں پر مسکراہٹ بھی بکھرتی ہے۔ ان کے فن کی خوبی یہ ہے کہ وہ شخصیت کی کمزوریوں کو بھی اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ تحقیر کی بجائے محبت اور اپنائیت کا تاثر ابھرتا ہے۔ قاسمی کی زبان کی شگفتگی، جملوں کی برجستگی اور کردار نگاری کی مہارت نے اس خاکے کو محض ایک تعارفی تحریر نہیں رہنے دیا، بلکہ اسے ادبِ لطیف کا ایک نادر نمونہ بنا دیا ہے، جو قاسمی کے فنی کمالات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

عطاء الحق قاسمی ایک ایسے شاعر اور مزاح نگار ہیں جن کی فنی حیثیت مسلمہ ہے، مگر بعض اوقات ان کے اس اعتماد میں تفاخر کی جھلک بھی محسوس ہوتی ہے، جو ان کے بعض خاکوں میں خاص طور پر نمایاں ہو جاتی ہے۔ پہلوان پر لکھے گئے خاکے میں یہی احساس شدت سے ابھرتا ہے، جہاں خاکہ نگار کا لہجہ اپنے اندر ایک طرح کی برتری اور طنز کی چاشنی لیے ہوتا ہے۔

عطایئے میں شامل بیشتر خاکے چونکہ تقریبات یا کالم کی فوری ضروریات کے تحت لکھے گئے ہیں، اس لیے ان میں فنی گہرائی اور مکمل یکسوئی کی کمی واضح محسوس ہوتی ہے۔ بعض جگہوں پر ایسا لگتا ہے کہ اصل خاکہ نگاری پس منظر میں چلی گئی ہے اور بات کہنے کا مقصد کسی اور سمت میں نکل پڑا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے خاکے کی تمہید بہت طویل ہو گئی ہو اور اصل شخصیت کی جھلک دھندلا گئی ہو۔ عبدالعزیز خالد پر لکھے گئے خاکے میں دیگر شعرا کے ساتھ موازنہ دلچسپ ضرور ہے، لیکن خالد کی اپنی شخصیت واضح طور پر نمایاں ہونے کے بجائے علمیت اور مشکل پسندی کے خول میں لپٹی رہتی ہے۔ اسی طرح شبنم رومانی اور عارف عبدالمتین پر لکھے گئے خاکے اپنے آغاز میں شگفتہ اور قاری کو متوجہ کرنے والے ہیں، مگر درمیان سے آخر تک آتے آتے وہ رفتار برقرار نہیں رکھ پاتے اور دلچسپی مدھم پڑنے لگتی ہے۔ قاسمی کے ہاں مزاح کے ساتھ لطائف کا بھرپور استعمال بھی ملتا ہے، لیکن لطائف کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ وہ اپنی تروتازگی دیرپا برقرار نہیں رکھ پاتے۔ چاہے وہ خود ساختہ ہوں یا مستعار، ایک وقت کے بعد وہ دہرائے جانے کے سبب تازگی کھو بیٹھتے ہیں اور اثر آفرینی کم ہو جاتی ہے۔

عطاء الحق قاسمی کی تحریروں کو جو بات سب سے منفرد بناتی ہے، وہ ان کے موضوعات اور اندازِ بیان میں چھلکتی ہوئی پنجاب کی مٹی کی خوشبو ہے۔ ان کے اسلوب میں لاہور کی گلیوں، بولیوں، اور وہاں کے طرزِ زندگی کی جھلک صاف محسوس کی جا سکتی ہے۔ یہی علاقائی رنگ ان کی تحریر کو زندگی بخشتا ہے اور ان کے خاکوں کو ایک مخصوص ثقافتی پس منظر میں نہایت حقیقی اور جاندار بنا دیتا ہے۔ عطاء الحق قاسمی کے ہاں جا بجا جہاں ہمارے پنجابی کلچر کی تصویریں نظر آتی ہیں وہاں "ہور چوپو"، "تھن فٹ"، "میسنی"، "چونڈیاں"، "چھاکا"، "ٹھرک"، "ہلارے"، اور "ٹچکریں" جیسے ٹھیٹ الفاظ ایک خاص مساں باندھتے نظر آتے ہیں۔

عطاء الحق قاسمی کی خاکہ نگاری کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ شخصیات کے فنی محاسن پر تنقیدی نظر ضرور ڈالتے ہیں، لیکن ان کا انداز تنقید روایتی نقادوں کی طرح خشک، دقیق یا بوجھل نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں تنقید کا اظہار شگفتگی اور لطافت کے پیرائے میں ہوتا ہے، جس سے نہ صرف قاری محظوظ ہوتا ہے بلکہ زیر بحث شخصیت کی فنی جہتیں بھی مؤثر انداز سے اجاگر ہو جاتی ہیں۔ قاسمی اپنے مخصوص اسلوب کے ذریعے قاری کو یوں اندازہ ہونے دیتا ہے کہ تنقید صرف نکتہ چینی نہیں، بلکہ ایک لطیف ادبی فن بھی ہے، جس میں دل آزاری کے بجائے دل چسپی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

مثال کے طور پر جب وہ تحسین فراقی پر خاکہ تحریر کرتے ہیں اور وہاں رشید احمد صدیقی کا تذکرہ چھیڑتے ہیں، تو وہ ان کی مزاح نگاری کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ایک طرف مزاح کی فضا قائم رہتی ہے اور دوسری طرف فنی گہرائی کا پہلو بھی متاثر کن انداز میں سامنے آتا ہے۔ وہ جس بات کو کہنے کے لیے ایک روایتی نقاد کو صفحات در صفحات کی تمہید باندھنی پڑتی ہے، قاسمی اسے صرف ایک یا دو جملوں میں بیان کر کے نہ صرف قاری کو مسکرا دیتا ہے بلکہ اس کے ذہن میں ایک مکمل اور واضح تصویر بھی بٹھا دیتا ہے۔

یہی ان کی فنی مہارت ہے کہ وہ سنجیدہ باتوں کو بھی خوش ذوقی سے کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کے خاکوں میں تنقید اور تفریح کا امتزاج ایسا مربوط ہوتا ہے کہ قاری کو علم، فکر اور شگفتگی کی ایک با معنی صورت میں سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔

عطاء الحق قاسمی لکھتے ہیں:

> "مجھے رشید احمد صدیقی کے بارے میں ہمیشہ یہ گمان گزرا ہے کہ وہ کوئی مزاحیہ مضمون لکھنے کے بعد اس کی تقطیع کرتے ہیں اور جہاں جہاں کوئی لفظ اس تقطیع سے باہر نظر آیا، اسے کان سے پکڑ کر نکال باہر کرتے ہیں، چنانچہ جو مضمون ہم پڑھتے ہیں، اس میں مزاح ہو نہ ہو، وہ ناپ تول کے اعشاری نظام کے عین مطابق ضرور ہوتا ہے۔"(٦)

تخلیق کے عمل میں نقاد کا وجود ایک ناگزیر حقیقت ہے، جو تخلیق کار کے باطن میں سانس لیتا ہے۔ اگر یہ داخلی نقاد بیدار اور باریک بین ہو تو تخلیق متوازن، مؤثر اور گہرائی سے بھرپور بن کر سامنے آتی ہے۔ خاص طور پر شاعری جیسے لطیف اور وجدانی فن میں، جہاں خیالات اکثر ایک بہاؤ کی صورت میں شعور کی سرحدوں سے ماورا آتے ہیں، وہاں اس اندرونی نقاد کا کردار اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ شاعر پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنے جذبات و خیالات کو محض الہام کی کیفیت پر نہ چھوڑے بلکہ انھیں بار بار عقل کی چھلنی سے گزار کر پرکھے، چھانے اور نکھارے۔ کیونکہ تخلیق کی اصل جان اسی کانٹ چھانٹ میں ہوتی ہے جو ابتدائی جذباتی بہاؤ کو ایک فن پارے کی شکل دیتی ہے۔

عطاء الحق قاسمی نے اس تنقیدی حقیقت کو اپنے مخصوص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری نہ صرف اس نکتے کی گہرائی تک پہنچتا ہے بلکہ لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔ وہ کسی شاعر کے فنی معیار پر بات کرتے ہوئے محض سنجیدہ تجزیہ نہیں کرتے بلکہ اس میں شگفتگی اور عوامی انداز کو اس خوبی سے شامل کر دیتے ہیں کہ بات محض ایک فنی نکتہ

نہ رہ کر دلچسپ تجربہ بن جاتی ہے۔ قاسمی کی یہ خصوصیت کہ وہ تنقید کو عام فہم، خوش ذوق اور دلنشین انداز میں بیان کرتے ہیں، انھیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ شعور و وجدان کی کشمکش کو اس خوبی سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں کہ قاری نہ صرف بات کو سمجھتا ہے بلکہ اسے محسوس بھی کرتا ہے۔ یہی وہ ہنر ہے جو عطاء الحق قاسمی کو ایک قادرالکلام خاکہ نگار اور فنی بصیرت سے مالامال تخلیق کار ثابت کرتا ہے۔

بقول عطاء الحق قاسمی:

> " اختر امان یقیناً بے حد خوبصورت شاعر ہے کہ اس کی غزلیں اور نظمیں بس دل میں اترتی چلی جاتی ہیں ۔ اس کا سارا Content مقصدی ہونے کے علاوہ مکمل طور پر شاعرانہ ہے مگر اس میں ایک پرابلم ہے اور وہ پرابلم یہ ہے کہ ہر شاعر کے اندر ایک شاعر کے علاوہ ایک مستری بھی ہوتا ہے۔ شاعر اپنی ساری متاع اس کے حوالے کر دیتا ہے اور پھر منجی پیڑھی ٹھونکنے کا کام وہ مستری کرتا ہے۔ پرابلم یہ ہے کہ شاعر اختر امان کے پاس جو مستری ہے وہ قدرے ہڈ حرام واقع ہوا ہے، چنانچہ اس مجموعے کے مطالعے کے دوران یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ چند ایک مقامات پہ سہل انگاری سے کام لے گیا۔"(۷)

کتاب "مزید گنجے فرشتے" جو کہ ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئی عطاء الحق قاسمی کے اڑتیس خاکوں پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی تمہید طویل بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اس میں انجم رومانی، پریشان خٹک اور ضمیر جعفری کے خاکے نہایت عمدہ انداز میں لکھے گئے۔

عطاء الحق قاسمی رقم طراز ہیں:

> "انجم صاحب ہر وقت مترنم لہجے میں ہولے ہولے کھانستے رہتے ہیں، جب وہ کھانس رہے ہوں تو ایسے لگتا ہے کہ ایک "ردھم" کے ساتھ چاندی کے ورق کوٹے جا رہے ہیں۔ انجم صاحب کی یہ کھانسی ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے مشاعروں میں بھی دکھائی اور سنائی دیتی ہے۔ منیر نیازی کی بدگمانی کے مطابق انجم صاحب کو یہ کھانسی کسی شاعر کے اچھے شعر پر چھڑتی ہے۔"(۸)

عطاء الحق قاسمی کے خاکوں کی نمایاں خصوصیت ایجاز و اختصار ہے، جو ان کے اسلوب کا ایک طاقتور پہلو ہے۔ وہ کم الفاظ میں زیادہ بات کہنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں، جس سے نہ صرف تحریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے بلکہ قاری کی دلچسپی بھی برقرار رہتی ہے۔ قاسمی غیر ضروری طوالت سے گریز کرتے ہوئے مختصر جملوں میں شخصیت کے اہم پہلوؤں کو نہایت مہارت سے سمیٹتے ہیں، یوں ہر جملہ ایک مکمل تاثر اور معنی لیے ہوتا ہے۔ ان کے اس اختصاری انداز میں نہ صرف زبان کی شستگی اور برجستگی نمایاں ہوتی ہے بلکہ طنز و مزاح کی لطافت بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہی فنی چابکدستی ان کے خاکوں کو نہ صرف مؤثر بناتی ہے بلکہ انہیں یادگار اور بار بار پڑھنے کے قابل بھی بناتی ہے۔

عطاء الحق قاسمی لکھتے ہیں:

> " کسی ادیب کو کسی ایک لفظ سے شادی کبھی نہیں کرنی چاہیے کہ اس صورت میں دونوں کی بقیہ عمر ہچکیاں لے لے کر روتے گزر جاتی ہے۔"(۹)

عطاء الحق قاسمی کی خاکہ نگاری میں ان کی ہمدردانہ نظر اور کسی شخصیت کے حق میں جوش سے بات کرنے کا انداز ان کے دل کے نرم گوشے اور انسان دوستی کا غماز ہے۔ وہ جب کسی فرد کا تذکرہ کرتے ہیں تو محض اس کی کمزوریوں یا طنزیہ پہلوؤں کو اجاگر نہیں کرتے بلکہ اس کی خوبیوں کو محبت، اخلاص اور احترام کے ساتھ نمایاں کرتے ہیں۔ قاسمی کی تحریر میں ایک ایسا جوش اور خلوص جھلکتا ہے جو قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ جس شخصیت کا ذکر کر رہے ہیں، اس سے گہری عقیدت اور ذاتی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی زبان میں کبھی تلخی نہیں آتی، بلکہ وہ حتیٰ الامکان دوسروں کی عزت نفس کو محفوظ رکھتے ہوئے ان کی کمزوریوں کو بھی نرم لہجے میں، شگفتگی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہی ہمدردانہ انداز اور پرخلوص مدافعت ان کے خاکوں کو نہ صرف دل کو چھو لینے والا بناتا ہے بلکہ ان کی شخصیت کے اخلاقی حسن کی بھی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

بقول عطاء الحق قاسمی:

"قتیل شفائی رند مشرب ہیں لیکن ان کی رندی محض خود پر الزام لینے والی ہے۔ اس معاملے میں وہ فیض، منیر، اور فراز کے برابر نہیں پہنچتے۔ اصل میں فلم کی وجہ سے ان کی صحبت جس طبقے سے رہتی ہے۔ قتیل صاحب کو ان کی خوشنودی کے لیے یہ بھیس بدلنا پڑتا ہے، ویسے بھی فلمی حلقوں میں شاعر کا تصور ابھی تک یہی ہے کہ وہ ہر وقت اک گونہ بے خودی کیفیت میں نظر آئے۔"(۱۰)

عطاء الحق قاسمی کے خاکے محض شخصی خاکے نہیں بلکہ ان میں سیاسی، سماجی اور مالی بدحالی کے گہرے اشارات بھی پنہاں ہوتے ہیں، جو ان کے حساس اور باشعور ذہن کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ معاشرتی ناہمواری، طبقاتی فرق، اور غربت جیسے مسائل پر طنز کے دبے دبے مگر مؤثر وار کرتے ہیں، جو قاری کو ہنسانے کے ساتھ ساتھ سوچنے پر بھی مجبور کر دیتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں عام آدمی کی تکالیف، حکومتی نااہلی اور معاشی تنگی کے مسائل اس انداز سے شامل ہوتے ہیں کہ وہ شخصی خاکے سے نکل کر ایک اجتماعی شعور کی نمائندگی کرنے لگتے ہیں۔ قاسمی اکثر ایسے کرداروں کو منتخب کرتے ہیں جو خود بھی ان مسائل کا شکار ہوتے ہیں، یوں ان کی زندگیوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ ایک وسیع تر معاشرتی تصویر بھی سامنے آتی ہے۔ ان کا قلم ظرافت کے پردے میں چھپی ہوئی سچائی کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ قاری بظاہر ہنستا ہے، لیکن اندر سے ایک تلخ حقیقت کو محسوس بھی کرتا ہے، جو قاسمی کے فنی شعور اور معاشرتی آگاہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بقول عطاء الحق قاسمی:

" صدر ایوب خان جب اقتدار سے الگ ہوئے تو ان کے ایک دوست نے ان سے پوچھا کہ ملک امیر محمد خان اور جنرل موسیٰ خان آپ کے دور میں گورنر رہے ہیں۔ آپ کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے۔ صدر ایوب نے کہا ملک امیر محمد خان بات مانتا نہیں تھا اور موسیٰ خان بات سمجھتا نہیں۔"(۱۱)

عطاء الحق قاسمی کے خاکوں میں طنز و مزاح کا عنصر نہایت برجستگی اور فطری روانی کے ساتھ شامل ہوتا ہے، جو ان کے اسلوب کی بنیادی پہچان ہے۔ وہ شخصیات کی خامیوں اور معاشرتی تضادات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ قاری کو نہ صرف ہنسی آتی ہے بلکہ وہ ایک گہری سچائی کا ادراک بھی کرتا ہے۔ قاسمی کے طنز میں تلخی کے بجائے شگفتگی ہوتی ہے اور ان کا مزاح محض تفریح نہیں بلکہ اصلاح کا ایک مؤثر ذریعہ بنتا ہے۔ وہ کرداروں کی کمزوریوں کو مضحکہ خیز نہیں بناتے بلکہ انہیں انسانی کمزوریاں سمجھ کر نرم لہجے میں ہنسی کا سامان پیدا کرتے ہیں۔ ان کے طنز کی خوبی یہ ہے کہ وہ نشتر تو چلاتے ہیں، لیکن زخم نہیں دیتے، بلکہ مسکراہٹ کے ساتھ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ یہی ان کے طنز و مزاح کی وہ لطافت ہے جو ان کے خاکوں کو محض مزاحیہ نہیں، بلکہ سنجیدہ فکری تحریریں بنا دیتی ہے۔

عطاء الحق قاسمی کی خاکہ نگاری اردو ادب میں ایک خوشگوار تازگی کی مانند ہے، جس میں شگفتگی، گہرائی، مشاہدہ اور خلوص ہم آہنگ ہو کر ایک دلنشین ادبی تجربہ بن جاتے ہیں۔ انہوں نے شخصیات کو نہ صرف لفظوں میں قید کیا بلکہ ان کی روح تک رسائی حاصل کی، اور ان کی خوبیوں، کمزوریوں اور معمولی باتوں کو بھی زندگی بخش دی۔ ان کے خاکے محض شخصی خاکے نہیں بلکہ ہمارے معاشرے، اقدار، اور انسانی رویوں کا عکس ہیں، جو قاسمی کے فنی شعور، حسِ مزاح اور انسانی محبت کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کا اندازِ بیان، زبان کی سادگی اور طنز و مزاح کی تہذیب ایسی خوبیوں کا امتزاج ہے جو ان کے فن کو نہ صرف دیرپا بناتی ہیں بلکہ انہیں اردو خاکہ نگاری کے معتبر اور منفرد آوازوں میں شمار کرواتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر شمیم حنفی، آزادی کے بعد دہلی میں اردو خاکہ، ص ۱۰
۲۔ ڈاکٹر انور سدید، ماہنامہ "صریر" کراچی، مارچ ۱۹۸۸ء، ص ۷۷
۳۔ عطاء الحق قاسمی، عطایئے، ص ۱۳۶
۴۔ ایضاً، ص ۱۲۶، ۱۲۷

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL

Vol.8. No.2.2025

۵۔ ایضاً، ص۱۱۸

۶۔ عطاء الحق قاسمی، عطایئے، ص۱۵۷

۷۔ ایضاً، ص۱۹۴۔۱۹۵

۸۔ عطاء الحق قاسمی، مزید گنجے فرشتے، ص۷۵

۹۔ ایضاً، ص۳۴

۱۰۔ ایضاً، ص۴۹

۱۱۔ ایضاً، ص۷۰